OPEN ACCESS
Al-Wābil
ISSN (Online): xxxx- xxxx
ISSN (Print): xxxx - xxxx
https://ejrss.com/index.php/wabil/index

Al-Wābil, Vol.:01, Issue: 01, Jan – June 2024
DOI: 10.53583/wabil.i1.r3, PP: 22-33

خیر اور شر کے بارے میں متکلمین کی آراء کا ناقدانہ جائزہ

A Critical Review of the Theologians' Views on Good and Evil

***Syeda Ayesha Rizvi**
Lecturer, Department of Islamic Studies,
University of Lahore, Lahore, Pakistan.
Email: ayesharizwi@gmail.com

Abstract

The intricacies of predestination and fate pose profound questions rooted in fundamental beliefs. While Allah Ta'ala is recognized as the ultimate creator of human actions, there exists a nuanced understanding that grants individuals agency in their deeds. This balance, wherein humans are both accountable for their actions yet ultimately governed by the divine, is a cornerstone of theological discourse spanning centuries. Esteemed scholars such as Imam Abu Bakr Jafar bin Muhammad Al-Faryabi, Imam Ibn Taymiyyah, Imam Ibn Qayyim, Imam Muhammad bin Salih al-Uthaymeen, and Imam Umar bin Sulaiman al-Ashqar have delved into this subject in their seminal works, which are explored within this thesis. In this paper, the perspectives of theologians regarding concepts of good and evil are comprehensively presented and analyzed, with particular emphasis on the stance of Ahlus Sunnah. Through critical evaluation, this thesis seeks to illuminate the complex interplay between human agency and divine decree, shedding light on a topic that has captivated scholarly minds for centuries.

Keywords: *Predestination, Fate, Theologians, Firm Beliefs, Actions, Human Deeds.*

تعارف موضوع

تقدیر کا مسئلہ ان بنیادی عقائد سے ہے جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ لیکن تقدیر کا مسئلہ انتہائی نازک بھی ہے۔ اس کے بارے میں زیادہ سوال وجواب کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالی انسان کے افعال کا خالق ہے مگر اس نے بندوں کو اپنے افعال کے ادا کرنے کے معاملے میں خود مختار بنایا ہے یعنی افعال کا کاسب انسان خود ہے اور خالق اللہ تعالی کی ذات ہے۔ اگر انسان کو اختیار ہی نہ ہوتا تو امر و نہی اور جزاوسزا کا مفہوم باقی نہ رہتا لہٰذا انسان مجبور محض بھی نہیں ہے اور مختار کل بھی نہیں۔

یہ ایک اہم اور مشکل موضوع ہے جس پر چودہ صدیوں سے لکھا جاتا رہا ہے۔ آئمہ حدیث اور مفسرین نے اپنی کتب میں اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ جبکہ مستقل کتب بھی لکھی گئیں۔ امام ابو بکر جعفر بن محمد الفریابیؒ نے القدر للفریابی تصنیف کی۔ امام ابن تیمیہؒ نے التدمیریہ، امام ابن القیمؒ نے شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر، شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ نے رسالہ فی القضاء والقدر اور عمر بن سلیمان الاشقرؒ نے القضاء والقدر للاشقر تصنیف فرمائی۔

مقالہ ہذا میں اس موضوع کو جامع انداز میں سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مقالہ خیر اور شر کے بارے میں متکلمین کی

CC BY

آراء کو بالدلائل بیان کیا اور موقف اہل سنت کو واضح کیا گیا ہے۔

2. قدر کا معنی و مفہوم:

قدر کا لغوی معنی اندازہ کرنا، طے کرنا اور مقرر کرنا ہے۔[1] امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے:

القَدَرُ: الاسم، القَدْرُ المصدر. وهو ما يُقَدِّر. االله من القضاء، ويحكم به من الامور[2]

لفظ قدر اِسم ہے، اور قدر مصدر ہے اور اس سے مراد وہ قضا (فیصلہ) جسے اللہ تعالیٰ مقدر کردے (کہ وہ ہو کر رہے گا) اور اُمور میں سے جس چیز کا اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادے (وہ قدر ہے)۔

جب کہ قدر کا اِصطلاحی معنی درج ذیل ہے:

ان القدر سِرٌّ من سِرّ االله، بل الإيمان بما جرت به المقادير من خيرا وشرّ، واجب على العباد ان يؤمنوا به، ثم لا يامن العبد ان يبحث عن القدر فيكذب بمقادير االله الجارية على العباد، فيضلّ عن طريق الحق[3]

قدر، اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے، بلکہ خیر و شر کی جو تقدیریں جاری ہوتی ہیں ان پر ایمان لانا بندوں پر واجب ہے، پھر ایسا ممکن نہیں کہ بندہ قدر کے بارے میں بحث کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ان قدروں کے بارے میں جو بندوں پر جاری ہوتی ہیں جھوٹ سے مامون رہے، پس پھر راہِ حق سے گمراہ ہو جائے۔

اس سے مراد کائنات اور بنی نوع انسان کے احوال کا وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس لوح محفوظ میں لکھا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ[4]

ہر چیز کو ہم نے کتاب روشن یعنی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

گویا تقدیر علم الٰہی کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں جو ہے وہی بہتر جانتا ہے، ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس بات پر یقین رکھیں کہ جو کچھ ہوا، ہو رہا ہے اور ہوگا، سب اللہ کے علم میں ہے۔ اسی کے طے کردہ وقت اور مقام کے مطابق ہوتا ہے۔ اس عالم الغیب کے لیے کوئی حادثہ اچانک نہیں ہوتا کیونکہ وہ سب کچھ پہلے سے جانتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کے بارے میں فیصلے صادر فرمائے ہیں۔ انسان تقدیر کا مکلّف نہیں بلکہ احکام شرع کا پابند ہے۔ کوئی شخص جرم کا ارتکاب اور نیکی کا انکار اس دلیل سے نہیں کر سکتا کہ میری تقدیر میں یہی تھا، اس لیے کہ اسے شریعت نے نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کا واضح حکم دیا ہے، اور وہ اس حکمِ شرعی کو بخوبی جانتا ہے۔ تقدیر کا تعلق علم غیب سے ہے جو انسان کے بس میں نہیں، انسان کو احکامِ شرع کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے جس کی تعمیل یا انکار کا نتیجہ بھی اس کے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔ اگر انسان اس کی تعمیل نہیں کرتا اور اس علم الٰہی کا جسے وہ جانتا ہی نہیں، بہانہ بنا کر غلط راہ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سزا دے گا۔

کائنات کی ہر چیز خدا کی مشیت و ارادے کے تابع ہے، اچھائی ہو یا برائی ان میں سے ہر دو اپنی اثرپزیری کیلئے خدا کے ارادے، مشیت و اذن ہی کی محتاج ہے، خود سے مؤثر نہیں۔ اچھائی میں اللہ تعالیٰ کے ارادے و مشیت کے ساتھ ساتھ اسکا حکم اور رضا سے بھی شامل ہوتا ہے، جبکہ برائی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے اثرپزیر تو ہے مگر اس کے کرنے میں اللہ کا حکم اور اس کی رضا شامل نہیں۔ انسان جو اعمال بھی سرانجام دیتا ہے، اسی مشیتِ خداوندی اور خدا تعالیٰ کے عطا کردہ اختیار سے انجام دیتا ہے۔ چنانچہ جب انسان کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے ارادے و مشیت کے ساتھ اسکے حکم اور رضا کے تابع ہو تو وہ صالح کہلاتا ہے، اور جب وہ خدا کی اجازت و اختیار کو اپنی مرضی سے اُس کی پسند کے خلاف استعمال کرے تو مجرم کہلاتا ہے۔

3. ایمان بالقدر کے متعلق آیات قرآنی واحادیث نبویہ:

تقدیر پر ایمان لانا واجب ہے جس کے بغیر ایمان نامکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر تقدیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ[5]

اور اللہ نے تمھیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا[6]

تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آلے گی اگرچہ مضبوط قلعوں میں ہو اور انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور انہیں کوئی برائی پہنچے تو کہیں یہ حضور کی طرف سے آئی تم فرمادو سب اللہ کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کوئی بات سمجھتے معلوم ہی نہیں ہوتے۔

وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ[7]

اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے اللہ سارے جہان کا رب۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ[8]

بیشک ہم نے ہر چیز ایک اندازہ سے پیدا فرمائی

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا[9]

بے شک اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ رکھا ہے۔

احادیث مبارکہ سے بھی ایمان بالقدر کی اہمیت واضح ہوتی ہے:

1. عن حذيفة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لكل أُمة مجوس ومجوس هذه الأمة الذين يقولون لا قدر من مات منهم فلا تشهدوا جنازته و من مرض منهم فلا تعودوهم وهم شيعة الدجال و حق على الله أن يلحقهم الدجال''[10]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ہر امت میں مجوسی ہوتے تھے اور اس امت کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو کہیں گے کہ تقدیر کوئی چیز نہیں۔ ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کے جنازے میں شریک نہ ہونا اور جو ان میں سے بیمار پڑے اس کی عیادت نہ کرنا، وہ دجال کے ساتھی ہیں اور اللہ پر حق ہے کہ وہ انہیں دجال کے ساتھ ملا دے۔

2. عن جابر بن عبدالله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايؤمن عبد حتى يؤمن بالقدر خيره وشره وحتى يعلم أن ماأصابه لم يكن ليخطئه ، وانما أخطأه لم يكن ليصيبه[11]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ تقدیر کی اچھائی اور برائی پر ایمان نہ لائے، اسی طرح جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ جو مصیبت اسے پہنچی ہے وہ اس سے ٹلنے والی نہ تھی اور جو مصیبت اس سے ٹل گئی وہ اسے پہنچنے والی نہ تھی۔

3. عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ عُودٌ يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ وَقَالَ: مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا قَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ أَوْ مِنَ الْجَنَّةِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ : أَلَا نَتَّكِلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ، قَالَ: لَا اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ، ثُمَّ قَرَأَ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى

وَاَمَّا منْ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰی وَ کَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی[12]

علیؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کرید رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اسی اثناء میں) فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کا جہنم کا یا جنت کا ٹھکانا لکھا جا چکا ہے، ایک مسلمان نے اس پر عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر کیوں نہ ہم اس پر بھروسہ کر لیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں عمل کرو کیونکہ ہر شخص (اپنی تقدیر کے مطابق) عمل کی آسانی پاتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی: پس جس نے راہ للہ دیا اور تقویٰ اختیار کیا۔ اور سب سے اچھی کو سچ مانا۔ تو بہت جلد ہم اسے آسانی مہیا کر دیں گے۔ اور وہ جس نے بُخل کیا اور بے پرواہ بنا۔ اور سب سے اچھی کو جھٹلایا۔ تو بہت جلد ہم اسے دشواری مہیا کر دیں گے۔

4. افعال العباد کی اقسام:

انسان اپنے افعال میں بالکل آزاد بھی نہیں ہے اور بالکل مجبور بھی نہیں ہے۔ بعض لوگوں کو یہ شبہ ہے کہ جب سب کچھ اللہ تعالی نے پیدا کیا ہے۔ حتی کہ انسان کے افعال اور اعمال کا خالق بھی وہی ہے تو پھر انسان کے لیے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا کیا اختیار رہ جاتا ہے؟ اور جب اس کا اختیار نہیں تو جس قسم کے کام بھی وہ کرتا ہے وہ ان کے کرنے پر مجبور ہے اور جب مجبور ہے تو اس سے گناہوں پر مواخذہ کیسا؟

اس سوال کے جواب میں میں متکلمین نے افعال کی دو اقسام کو بیان کیا:

الف. امور تکوینیہ یا غیر اختیاریہ:

امور تکوینیہ میں وہ چیزیں آتی ہیں جو اللہ تعالی کے لفظ کن سے وجود میں آتی ہیں اور انسان کی مشیت اور ارادہ کا اس میں ذرہ برابر بھی کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اسی کے بارے میں محمد بن صالح العثیمینؒ نے فرمایا:

القسم الأول: ما يجريه الله - تبارك وتعالى من فعله في مخلوقاته فهذا لا اختيار لأحد فيه كإنزال المطر وانبات الزرع والأحياء والإماتة والمرض والصحة وغير ذلك من الأمور الكثيرة التي تشاهد في مخلوقات الله تعالى وهذه بلا شك ليس لأحد فيه اختيار وليس لأحد فيها المشيئة فيها لله الواحد القهار[13]

پہلی قسم ایسے افعال ہیں جو اللہ تعالی اپنی مخلوقات میں جاری فرماتا ہے۔ ان میں کسی ایک کا بھی کوئی اختیار نہیں ہوتا جیسے بارش نازل کرنا، کھیتی اگانا، زندگی، موت، مرض، صحت اور ان کے علاوہ بہت سے دوسرے امور جو مخلوقات کے اندر دیکھے جاتے ہیں۔ اور ان امور میں بغیر کسی شک کے کسی ایک کا کوئی اختیار نہیں اور کسی ایک کی مشیئت شامل نہیں سوائے اللہ واحد القہار کے۔

یہ وہ امور ہیں جن کے وجود میں انسان کے ارادہ کا کوئی دخل نہیں ہے اور وہ ان میں بالکل مجبور محض ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

ھو الذی خلقکم من طین ثم قضی اجلا[14]

وہ اللہ تعالی ہی کی ذات ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تمہاری زندگی کے لیے ایک وقت مقرر کیا۔

ایک مقام پر فرمایا:

وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتابا مؤجلا[15]

کسی کے اختیار میں نہیں کہ وہ اللہ کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر مر سکے ہر شخص کی زندگی کی ایک معیاد مقرر ہے۔

ب. امور تشریعیہ یا اختیاریہ:

یہ وہ امور ہیں جن کی بجاآوری کے ساتھ اللہ تعالی نے انسان کو مکلّف اور پابند کیا ہے۔ اللہ تعالی نے خیر اور شر دونوں کو پیدا کیا اور دنیا میں شر پر ابھارنے کے لیے شیطان کو پیدا کیا اور خیر کی تلقین کے لیے انبیاء اور رسل کو مبعوث فرمایا اور انسان کے اندر بھی دو قوتیں رکھیں کہ ایک قوت وہ ہے جو اس کو نیکی پر ابھارتی ہے جسے عرف میں ضمیر کہا جاتا ہے اور ایک وہ قوت ہے جو اس کو شر پر اکساتی ہے جس کو ہمزاد یا شیطان کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالی نے انسان کو عقل سلیم عطا فرمائی تاکہ وہ خیر اور شر کے درمیان اپنا راستہ منتخب کر سکے۔ اس کے بارے میں محمد بن صالح العثیمینؒ نے فرمایا:

القسم الثاني: ما تفعله الخلائق كلها من ذوات الإرادة فهذه الأفعال تكون باختيار فاعليها وأرادتهم لان الله تعالى جعل ذلك إليهم[16]

دوسری قسم ہر وہ فعل ہیں جس کو تمام مخلوقات اپنے ارادہ سے کرتی ہیں ہیں بس یہ افعال فاعل کے اختیار اور ارادہ سے ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالی نے یہ ان کے سپرد کر دیے ہیں۔

اللہ تعالی نے انسان کو ایمان اور کفر، نیکی اور بدی دونوں راستے دکھا دیے اور ان کے انجام سے بھی واقف کرا دیا پھر انسان کو عقل عطا فرمائی کہ وہ ایمان اور کفر، نیکی اور بدی میں سے جو راستہ اختیار کرنا چاہے وہ کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

لا يكلف الله نفسا الا وسعها لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت[17]

اللہ تعالی کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں کرتا جو شخص نیکی کرے گا تو اس کا نفع اس کے لئے ہے اگر برائی کرے گا تو اس کا ضرر بھی اسی کو پہنچے گا۔

5. خیر اور شر کے بارے میں متکلمین کی آراء:

بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالی ہے یا خود انسان ہے۔ اس بارے میں متکلمین کی تین مختلف آراء ہیں۔ محمد بن صالح العثیمینؒ نے اس بارے میں تین اقسام کو بیان کیا:

1. پہلی قسم وہ افراد ہیں جنہوں نے قدر کے ثابت کرنے میں غلو کیا اور بندے کی قدرت اور اختیار کو ہی سلب کر لیا۔ انہوں نے افعال اختیاریہ اور غیر اختیاریہ میں کوئی فرق بیان نہیں کیا۔
2. دوسری قسم وہ لوگ ہیں جنہوں نے بندے کی قدرت اور اختیار کو ثابت کرنے میں غلو کیا حتی کہ انہوں نے اللہ تعالی کے ارادہ و اختیار اور تخلیق کی ہی نفی کر دی۔ اور انہوں نے گمان کیا کہ بیشک بندہ اپنے عمل کرنے میں مستقل ہے حتی کہ انہی میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اللہ تعالی نہیں جانتا کہ انسان کیا کرنے والا ہے مگر جب انسان وہ کام کرتا ہے تب اللہ کے علم میں آتا ہے۔
3. تیسری قسم میں وہ ایمان والے ہیں جن کو اللہ نے ہدایت عطا فرمائی اور وہ اہل سنت و جماعت ہیں۔ انہوں نے ایسے طریقے اور راستے کو اختیار کیا جو درمیانی راستہ ہے اور وہ راستہ دلیل شرعی اور دلیل عقلی پر قائم ہے۔ یعنی انہوں نے بعض افعال کو اختیاری اور بعض کو غیر اختیاری قرار دیا۔[18]

ان میں سے پہلے گروہ کو جبریہ اور دوسرے گروہ کو معتزلہ اور تیسرے کو اہل سنت وجماعت کہا جاتا ہے۔

معتزلہ کا موقف اور اس کا رد:

معتزلہ کے نزدیک بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانیؒ فرماتے ہیں:

زعمت المعتزله ان العبد خالق لافعاله وقد كانت الاوائل من هم يتحاشون عن اطلاق لفظ الخالق و يكتفون بلفظ الموجد و المخترع و نحو ذلک و حين رأى الجبائى و اتباعه ان معنى الكل واحد وهو المخرج من العدم الى الوجود تجاسروا على اطلاق لفظ الخالق[19]

اور معتزلہ نے گمان کیا کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اور متقدمین معتزلہ بندے پر لفظ خالق کے اطلاق کرنے سے بچتے تھے اور بندہ پر لفظ موجد اور مخترع اور اس جیسے الفاظ پر اکتفا کرتے تھے لیکن جس وقت ابو علی جبائی اور اس کے متبعین نے دیکھا کہ ان سب کا معنی ایک ہی ہے اور وہ عدم سے وجود کی طرف نکالنے والا ہے تو انہوں نے بندہ پر لفظ خالق کے اطلاق کرنے پر دلیری کرلی۔

اہل السنت والجماعت نے کئی وجوہ سے معتزلہ کا رد کیا ہے:

قرآن مجید کی کی نصوص جو اس سلسلے میں وارد ہیں اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ تمام افعال کو پیدا کرنے والی اللہ تعالی ہی کی ذات ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: واللہ خلقکم وما تعملون[20] اور اللہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: لا الہ الا ھو خالق کل شیئ[21] اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

اسی طرح ارشاد فرمایا: اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ[22]

تو کیا جو بنائے وہ ایسا ہو جائے گا جو نہ بنائے تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے۔

معتزلہ کے دلائل اور ان کا جائزہ:

پہلی دلیل: چلنے والا بھی حرکت کرتا ہے اور مرتعش بھی حرکت کرتا ہے لیکن ان دونوں حرکتوں کے درمیان بڑا فرق ہے پہلی حرکت اختیاری ہے اور دوسری حرکت غیر اختیاری ہے جو کہ بالاتفاق مخلوق ہے اور پہلی حرکت کا خالق خود بندہ ہے۔ اگر دونوں حرکتوں کا خالق اللہ تعالی ہے تو پھر دونوں میں فرق نہیں رہے گا۔ نیز جب بندے نے کچھ نہ بھی کیا تو پھر بندہ مکلّف کیوں بنایا گیا۔ اچھے کام کرنے پر تعریف اور ثواب کا مستحق اور برے کام کرنے پر مذمت اور سزا کا مستحق کیوں ٹھہرایا جائے۔ لہٰذا انسان ہی اپنے تمام افعال کا خالق ہے۔

جواب: یہ دلیل دوست نہیں کیوں کہ ہم نے اپنے افعال کی دو قسمیں اختیاری اور غیر اختیاری کی ہیں۔ لہٰذا بندے کو اپنے کام کرنے میں اختیار موجود ہے اور جب اچھے اور برے کام کرنے کا اختیار ہے تو اسی وجہ سے تعریف وہ تعریف و ثواب اور مذمت و سزا کا مستحق بنتا ہے۔

دوسری دلیل: اگر بندہ اپنے افعال کا خالق نہ ہو ہو بلکہ اللہ تعالی خالق ہو تو پھر قیام و قعود عقل شرب وغیرہ کا خالق بھی اللہ تعالی ہی ہوگا۔ تو پھر اللہ تعالی قیام کا خالق ہونے کی وجہ سے قائم، قعود کے خالق ہونے کی وجہ سے قاعد، اور اکل اور شرب وغیرہ کا خالق ہونے کی وجہ سے آکل، شارب، زانی، سارق وغیرہ کہلائے گا حالانکہ یہ باطل ہے اور جو باطل کو مستلزم ہو وہ خود باطل ہوتا

ہے۔ لہٰذا اللہ تعالی کا افعال عباد کا خالق ہونا باطل اور بندوں کا اپنے اخلاق افعال کا خالق ہونا ثابت ہو گیا۔

جواب : یہ قاعدہ بالکل باطل ہے کیونکہ کسی شیئ کا موجد اس شیئ کے ساتھ متصف نہیں ہوتا بلکہ جس کے ساتھ اس شیئ کا قیام ہوگا وہی اس شیئ سے متصف ہوگا۔ لہٰذا یہ سب صفات انسان کے ساتھ قائم ہے اور انسان ہی قائم، آکل، شارب، قاعد وغیرہ کہلائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے سیاہی، سفیدی اور جسم کے اندر جتنی بھی صفات ہیں سب کو پیدا کیا مگر خود ان صفات کے ساتھ متصف نہیں ہے بلکہ ان صفات کے ساتھ متصف وہی ہوگا جس کے ساتھ ان سے صفات کا قیام ہے۔

تیسری دلیل: اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: فتبارک اللہ احسن الخالقین اور واذ تخلق من الطین کھیئة الطیر پہلی آیت میں اللہ تعالی نے اپنے آپ کو خالقین میں بہتر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ اور بھی خالق ہیں اگرچہ ان میں اللہ تعالی جیسے کمالات نہیں ہیں جیسا کہ بندے ہیں وہ بھی خالق ہوئے اور دوسری آیت میں حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف خلق کی نسبت کی گئی کہ وہ مٹی سے پرندوں کو پیدا کرتے تھے تو وہ بھی خالق ہوئے۔ لہٰذا اللہ کے علاوہ خالق کا عقیدہ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے۔

جواب: ان دونوں آیات میں خلق بمعنیٰ تقدیر و تصویر کے ہے کہ اللہ تعالی تصویر کشی کرنے والوں میں سب سے اچھا اور باکمال ہے اس کی کھینچی ہوئی تصویر کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور حضرت عیسی علیہ السلام مٹی سے پرندوں کی صورت بناتے تھے نہ کہ پرندوں کو پیدا کرتے تھے لہٰذا ان دونوں آیات سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ اور اگر تخلیق کی بات کریں تو اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے کہ ھل من خالق غیر اللہ کیا کوئی اور بھی کسی چیز کا خالق ہے سوا اللہ کے۔ [23]

جبریہ کا موقف کا جائزہ:

1. جبریہ کے نزدیک انسان کے افعال کا خالق صرف اللہ تعالی ہے۔ اس میں بندے کی قدرت کا کوئی دخل نہیں بلکہ بندہ جمادات کی طرح مجبور محض ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانیؒ فرماتے ہیں:

زعمت الجبرية انه لا فعل للعبد اصلا و ان حركاته بمنزله حركات الجمادات لا قدرة عليها ولا قصد و لا اختيار [24]

جبریہ نے گمان کیا ہے کہ بندے کے لئے کوئی اختیاری فعل نہیں ہے اور اس کی حرکات جمادات کی حرکات کے درجے میں ہیں۔ نہ ان پر کوئی قدرت ہے نہ قصد ہے اور نہ اختیار ہے۔

تجزیہ:

فرقہ جبریہ یعنی وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ تقدیر میں لکھ دینے کی وجہ سے بندے مجبور محض ہو جاتے ہیں یہ سرے سے غلط ہے کہ اللہ نے بندے کو اختیار خیر و شر کی قوت عطا فرمائی ہے اور ساتھ ہی خیر کا حکم اور شر کی ممانعت بھی فرمادی ہے، جس پر اللہ کے نبی کی پوری زندگی اور اللہ کا قرآن شاید ہے، مثال کے طور پر یہ کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ [25]

بے شک اللہ کے یہاں پسندیدہ دین صرف اسلام ہی ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ [26]

اور وہ اپنے بندے کے کفر پر راضی نہیں۔

اللہ رب العزت نے بندے کو عقل و شعور عطا فرمانے کے بعد خیر و شر کے درمیان واضح الفاظ کے ذریعے فرق بھی کر دیا لیکن ان پر جبر نہیں کیا کہ تمھیں صرف اسلام ہی قبول کرنا ہے بلکہ فرمایا:

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ[27]

اے نبی ﷺ آپ فرما دیجیے! حق تمھارے رب کی جانب سے ظاہر ہو چکا ہے تو اب جو چاہے وہ ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے

لیکن اس کے بعد ہی متصل فرمایا:

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا[28]

بے شک ہم نے کافروں کے لیے دردناک عذاب بھی تیار کر رکھا ہے۔

2. بندہ کے تمام افعال غیر اختیاری نہیں ہیں بلکہ کچھ اختیاری اور کچھ غیر اختیاری ہیں جیسے ہاتھ کی حرکت اور رعشہ کی حرکت کے درمیان فرق ہے۔ اگر سارے افعال اختیاری کا خالق اللہ تعالی ہوتا تو پھر دونوں افعال میں کوئی فرق نہ ہوتا حالانکہ کہ ہاتھ کی حرکت اختیاری ہے اور رعشہ کی حرکت غیر اختیاری ہے۔ تو بندہ مجبور محض نہ ہوا کیونکہ انسان جب چاہے اپنا ہاتھ اور کوئی بھی عضو حرکت میں لا سکتا ہے۔

3. اگر بندہ کا کوئی فعل اختیاری نہ ہوتا تو پھر بندہ جمادات کی طرح مجبور محض ہوتا اور جمادات کو مکلّف بنانا بالاتفاق باطل ہے تو پھر بندہ کو مکلّف بنانا بھی محال اور باطل ہوتا حالانکہ یہ بات غلط ہے بلکہ بندہ کو مکلّف بنایا گیا ہے۔ تو ثابت ہوا بندہ جمادات کی طرح مجبور محض نہیں ہے۔

4. اگر بندہ کا کوئی فعل اختیاری نہ ہوتا تو پھر کسی اچھے فعل پر ثواب اور برے کام پر سزا نہ دی جاتی کیوں کہ ثواب اور عذاب کا دار و مدار اختیار پر ہے اور نصوص سے بندے کے لئے ثواب و عقاب ثابت ہے۔ تو معلوم ہوا کہ بندے کے کچھ افعال اختیاری ہیں، بندہ مجبور محض نہیں ہے۔[29]

اہل السنت والجماعت کا موقف اور دلائل:

اہل السنت والجماعت کے نزدیک بندوں کے تمام افعال کا خالق صرف اللہ تعالی ہے اور بندہ صرف کاسب ہے۔ افعال اختیاری ہوں یا غیر اختیاری، تمام کا خالق صرف اللہ تعالی ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانیؒ لکھتے ہیں:

و الله تعالیٰ خالق لافعال العباد من الكفر و الايمان و الطاعة و العصيان[30]

اور اللہ تعالی بندوں کے افعال کا خالق ہے یعنی کفر اور ایمان اور اطاعت اور معصیت۔

امام طحاویؒ نے فرمایا ہے:

وأمرهم بطاعته، ونهاهم عن معصيته. وكل شيء يجري بتقديره ومشيئته، ومشيئته تنفذ، لا مشيئة للعباد إلا ما شاء لهم، فما شاء لهم كان، وما لم يشأ لم يكن[31]

اللہ تعالیٰ نے ان (مخلوق) کو اپنی اطاعت کا حکم دیا اور اپنی معصیت سے منع کیا ہے، ہر چیز اسی کی قدرت اور مشیئت سے جاری ہوتی ہے، اسی کی قدرت نافذ ہے، بندوں کے لیے اس کے چاہنے کے علاوہ بندے کی مشیئت کچھ نہیں، پس وہ ان کے لیے جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، جو نہ چاہے نہیں ہوتا۔

امام نووی ؒ لکھتے ہیں :

واعلم: أنّ مذهب أهل الحق إثبات القدر ومعناه: أنّ الله تبارک وتعالى قدّر الأشياء في القدم وعلم سبحانه أنها ستقع في أوقات معلومة عنده سبحانه وتعالى وعلى صفات مخصوصة فهي تقع على حسب ما قدّرها سبحانه وتعالى[32]

اللہ تعالی نے اشیاء کو ازل میں ہی مقدر فرماد یا کیونکہ ان اشیاء کا وقوع وقت مخصوص پر ہو نا اللہ تعالی کے علم میں تھا پس ان اشیاء کا وقوع عین اسی طرح ہوا جس طرح اللہ تعالی نے اپنے علم کے مطابق انہیں مقدر کیا تھا۔

امام خطابیؒ فرماتے ہیں :

وقد يحسب كثير من الناس: أنّ معنى القضاء والقدر إجبارُ الله سبحانه العبد وقهره على ما قدره وقضاه وليس الأمركما يتوهمونه، وإنّما معناه الإخبار عن تقدم علم الله سبحانه وتعالى بما يكون من اكتساب العبد وصدورها عن تقدير منه[33]

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تقدیر کا معنی ہے : اللہ تعالی کا بندے کو اس پر مجبور کر دینا جو اس نے مقدر کر دیا ہے" حالانکہ بات یوں نہیں جیسا وہ خیال کرتے ہیں، بلکہ تقدیر کا معنی ہے اللہ تعالی کا اپنے علم ازلی سے اس شیء کی خبر دینا جس کا انسان کسب کرے گا اور اس کا انسان سے صدور ہو گا۔

اہلسنت و جماعت اپنے موقف کو قرآن و حدیث اور آثار صحابہ سے ثابت کرتے ہیں۔اللہ تعالی نے فرمایا :

الا له الخلق والامر تبرک الله رب العلمین[34]

سنتے ہو, پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کیلئے ہے.بڑی برکت والا ہے اللہ جو مالک سارے جہان کا۔

اور فرمایا :

هل من خالق غير الله[35]

کیا کوئی اور بھی کسی چیز کا خالق ہے سوا اللہ کے۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام کے ذہنوں میں مسئلہ تقدیر کی نسبت کچھ شکوک و شبہات پیدا ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے انہی سوالات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اور خیال کرتے ہوئے کہ جو کچھ ہو چکا ہے وہ بدل نہیں سکتا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا : کیا ہم اپنی تقدیر پر بھروسہ نہ کرلیں ؟اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ تمہیں ملنے والا ہے اسے قلم لکھ کر خشک ہو چکے ہیں۔ [36]

گویا کہ اللہ تعالی نے انسان کو مجبور نہیں کیا بلکہ انسان کو کوشش کے ساتھ اپنا مقدر تلاش کرنے کی آزادی عطا فرمائی اور اسے عمل کا اختیار دیا کہ انسان چاہے تو شر کا راستہ اختیار کرتے ہوئے حاصل کرلے یا خیر کے ساتھ حاصل کرلے۔ لیکن اللہ تعالی نے کسب خیر کی تلقین فرمائی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں ملک شام میں طاعون کی وبا پھیلی۔ اس زمانے میں حضرت عمر بھی شام گئے ہوئے تھے۔ وباء کی وجہ سے انہوں نے وہاں سے نکلنے میں جلدی کی تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا : کیا آپ اللہ کی قضاء سے بھاگتے ہیں ؟ تو حضرت عمر نے فرمایا میں اللہ کی قضاء سے اس کی قدر کی طرف بھاگتا ہوں۔ [37]

یعنی قضاء تو امر الہی ہے مگر تقدیر پر انسان کا اختیار ہے۔

ایک دن امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ ایک ایسا شخص کھڑا ہوا جو جنگ جمل میں حضرت علی کے ساتھ تھا، انہوں نے عرض کی یا امیر المومنین! ہمیں مسلہ تقدیر کے بارے خبر دیجئے۔آپ نے فرمایا: گہرا دریا ہے اس میں قدم نہ رکھو۔انہوں نے عرض کیا یا امیر المومنین! ہمیں خبر دیجئے۔تو پھر آپ نے فرمایا: اللہ کا راز ہے زبردستی اس کا بوجھ نہ اٹھا۔ پھر عرض کیا یا امیر المومنین: ہمیں خبر دیجئے۔تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: اگر نہیں مانتا تو سنو یہ ایک عامر ہے دو امروں کے درمیان۔نہ آدمی مجبور محض ہے نہ اختیار اسے سپرد ہے۔پھر انہوں نے عرض کیا کہ فلاں شخص کہتا ہے کہ آدمی اپنی قدرت سے کام کرتا ہے اور وہ یہاں پر موجود ہے۔حضرت علی نے فرمایا: میرے سامنے لے کر آؤ۔لوگوں نے جب اس کو کھڑا کیا تو حضرت علی نے اسے دیکھا اور تلوار مبارک اپنی میان سے چار انگلیوں کی مقدار باہر نکالی اور فرمایا: تو کام کی قدرت کا خدا کے ساتھ مالک ہے یا خدا سے جدا مالک ہے۔خبر دار ان دونوں میں سے کوئی بات نہ کہنا کہ کافر ہو جاؤ گے اور میں تیری گردن مار دوں گا۔اس نے کہا یا امیر المؤمنین! پھر میں کیا کہوں؟ فرمایا یوں کہو کہ اس خدا کے دیے سے اختیار رکھتا ہوں کہ اگر وہ چاہے تو مجھے اختیار دے دے اور اس کی مشیت اور ارادے کے بغیر مجھے کچھ بھی اختیار نہیں۔[38]

خاتمۃ البحث:

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کے لئے اچھائی اور برائی تخلیق کرکے اسے اس میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے اور اپنے عمل کے لئے مخصوص کر لینے کا اختیار اور قدرت عطا فرمائی ہے۔وہ چاہے تو نیکی کو اختیار کرے اور چاہے تو بدی کو اپنا لے۔ چنانچہ سورۃ البلد میں ارشاد فرمایا:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّه عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ[39]

کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں۔اور (اسے) ایک زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیے)۔اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دو نمایاں راستے (بھی) دکھا دیے۔

بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس قدر ظاہری اور باطنی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، ان سب کا ایک واضح مقصد یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنی صلاحیتوں کو راہ خیر میں صرف کرکے مراتب کمال سے ہمکنار ہو جائے اور چاہے تو اپنی ان قوتوں کو بدی کے بیج بونے اور کاٹنے کے لئے وقف کر دے۔اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ[40]

دین میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ[41]

اور فرما دیجیے کہ (یہ) حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات

[1] راغب اصفہانی، المفردات، ص: 395

[2] ابن منظور، لسان العرب، 5: 74

[3] آجری، کتاب الشریعۃ، 2: 698

[4] سورہ یس، ۱۲۔

[5] الصافات: 96

[6] النساء: 78

[7] التکویر: 29

[8] القمر: 49

[9] الطلاق: 3

[10] ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب الدلیل علی زیادۃ الایمان ونقصانہ، 4:294، رقم الحدیث: 4692

[11] ترمذی، کتاب القدر، باب ماجاء انّ الایمان بالقدر خیرہ وشرّہ، 4: 57، رقم الحدیث: 2151

[12] بخاری، الصحیح، کتاب القدر: رقم الحدیث: 6605

[13] العثیمین، محمد بن صالح، رسالۃ فی القضاء والقدر، 9: 1

[14] الانعام: 2

[15] آل عمران: 145

[16] العثیمین، محمد بن صالح، رسالۃ فی القضاء والقدر، 9: 1

[17] البقرہ: 286

[18] العثیمین، محمد بن صالح، رسالۃ فی القضاء والقدر، 9: 1

[19] تفتازانی، سعد الدین، شرح عقائد النسفیہ، 1: 100

[20] الصافات: 96

[21] الانعام: 102

[22] النحل: 17

[23] تفتازانی، سعد الدین، شرح عقائد النسفیہ، 1: 100.101

[24] تفتازانی، سعد الدین، شرح عقائد النسفیہ، 1: 106

[25] آل عمران: 19

[26] الزمر: 7

[27] الکهف: 29

[28]الکھف:29

[29]تفتازانی، سعد الدین، شرح عقائد النسفیہ، 106:1

[30]تفتازانی، سعد الدین، شرح عقائد النسفیہ، 1:99

[31]الطحاوی،احمد بن محمد، العقیدۃ الطحاویۃ،35:1

[32]النووی، یحییٰ بن شرف، شرح النووی،،کتاب الایمان، 1:27

[33]علاء الدین، علی بن محمد، تفسیر خازن،4:223

[34]الاعراف::54

[35]الفاطر:3

[36]بخاری، الصحیح،کتاب النکاح، باب مایکرہ من التبتل والخصاء، رقم الحدیث: 4788

[37]مسلم، الصحیح،کتاب الفتن واشراط الساعۃ، باب اخبار النبی فیمایکون الی قیام الساعۃ، رقم الحدیث: 2891

[38]امام احمد رضا، ثلج الصدر لایمان القدر، ص: 12

[39]البلد: 8-10

[40]البقرۃ:256

[41]الکھف: 29